تفسیر القرآن

پارہ الٓمّٓ (۱) تا لَا یُحِبُّ اللہ (٦)

مُصنّفہ

سَیّدُ المُفسِّرِین
اَدِیبِ اَعظَمِ الحَاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی
بانی جامعہ امامیہ وصدر جامعہ امامیہ کمیٹی
مصنف دوسو سترہ (۲۱۷) کتب

جلد اوّل

ناشر
ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ناظم آباد ۲ کراچی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد اوّل

مفسّر

الحاج حضرت ادیبِ اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

میں نے اس تفسیر القرآن جلد اول کے متن کو بغور پڑھا ہے
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی
بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے

حافظ عبدالرؤف خاں بقلم خود

مورخہ ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۷۷ء

(حافظ عبدالرؤف خاں)

ماں کی چھاتی میں مہیا پاتا ہے۔ اس کے بعد کیا کیا نعمتیں اس کے سامنے آتی ہیں اور کس طرح اس کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ شانِ ربوبیت خدا کے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا۔ انسان ہی پر کیا موقوف ہے سطحِ ارض پر جتنے ذی حیات موجود ہیں ان سب کی وہی روزی فراہم کرتا ہے جو اس کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اُونچے اُونچے پہاڑوں پر ہوں یا ناپیدا کنار سمندروں میں ہوں یا درختوں پر بسنے والے پرندے ہوں یا سطحِ ارض پر دَوڑ دھوپ کرنے والے چرندے۔ درندے اور رینگنے والے حشرات الارض، سب اس کے خوانِ یغما پر صبح و شام کھاتے ہیں۔ اُس نے وعدہ کیا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہر زمین پر چلنے پھرنے والے کا رزق اللہ پر ہے) اس ربوبیت کا شکر بجالانا انسان کا فرضِ اوّلین ہے۔ قرآن میں دیکھیے ہر نبی جب کوئی دُعا کرتا ہے تو رَبّ کا لفظ پہلے استعمال کرتا ہے۔ پس معلوم ہُوا خدا کو اپنی صفتِ ربوبیت سب سے زیادہ پسند ہے۔

۲۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ ربوبیت کے بعد اس نے اپنی صفت رحمٰن و رحیم ذکر فرمائی ہے۔ یعنی دُنیا و آخرت دونوں جگہ رحم کرنے والا وہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک گنہ گار انسان اپنے گناہوں کا تصور کر کے اور نجاتِ آخرت سے مایوس ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور انتہائی بے کیف زندگی بسر کرتا۔ اگر اللہ صفت رحمٰن و رحیم سے اس کی ڈھارس نہ بندھاتا۔ وہ رحمٰن تمام مخلوق کے لیے ہے اور رحیم مومنین کے لیے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جو ذات رحمٰن و رحیم ہے وہ عادل نہیں ہو سکتی۔ رحم چاہتا ہے کہ گناہ معاف کیا جائے۔ عدل چاہتا ہے کہ انصاف کیا جائے۔ جواب یہ ہے کہ وہ رحم کرے گا اُن گناہوں کے متعلق جن کا تعلق اس کی ذات سے ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا تو وہ رحم فرما کر اس کا گناہ معاف کر دے گا لیکن جو گناہ بندوں کا بندوں نے کیا ہے تو ان کے درمیان وُہ ضرور عدل سے کام لے گا۔

۳۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اپنے قدرت و اختیار کا تین لفظوں میں ایسا ہیبت ناک مرقع قدرت نے پیش کیا ہے کہ عاقبت سے بے خبر انسان ایک مرتبہ ہی چونک پڑتا ہے۔ ایک دن اُسے میدانِ قیامت میں اس طرح کھڑا ہونا پڑے گا کہ اس کا کوئی معاون و مددگار نہ ہوگا۔ دنیا کی ساری سلطنتیں اس روز ختم ہو جائیں گی اور پھر یہ آواز عرصۂ محشر میں گُونجے گی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (بتاؤ آج کس کی حکومت ہے) کون جواب دے گا۔ آخر خود ہی لبِ حقیقت سے فرمائے گا — لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج خدائے واحد و قہار کی حکومت ہے)۔ جو لوگ روزِ قیامت پر اور خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے وہ سوچیں کہ اگر خدا اور قیامت پر ایمان لانے والوں کا عقیدہ صحیح ہُوا تو ان کا کیا حشر ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو ایمان لانے والوں کا کیا بگڑے گا۔

۴۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ اس آیت سے پہلے جو تین آیتیں ہیں وہ ذاتِ باری تعالیٰ کو غائب سمجھ کر کہنے والا کہہ رہا ہے لیکن مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر پہنچ کر جب معرفت اپنے انتہائی عروج پر آ جاتی ہے تو عبد و معبود کے درمیان جو حجاب حائل ہوتے ہیں وہ اُٹھ جاتے ہیں۔ اب کہنے والا جو کچھ کہتا ہے وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے۔ اب وُہ یوں نہیں کہتا کہ ہم خاص اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتا ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبدیت اپنے اصلی رُوپ میں نمایاں ہو جاتی ہے اور بندہ اپنے خالق کی توحید و یکتائی کا دل سے اقرار کرتے ہُوئے اپنی عبادت کو اُسی سے مخصوص کرتا ہے اور یہ یقین کرتے ہُوئے کہ خدا کے سوا کوئی سچا مددگار نہیں وُہ خدا سے اعانت طلب کرتا ہے۔ اب آگے جو کچھ اس کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہتا ہے وہ براہِ راست اُسے مخاطب کر کے کہتا ہے کسی کو واسطہ قرار نہیں دیتا۔ اب جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے اس کا معبود اس کا رَبّ

سب سنتا جاتا ہے۔ دو لفظوں میں توحیدِ الٰہی کا کتنا زبردست درس موجود ہے۔ ان اسرار و رموز کو عام لوگ کیا سمجھیں، اس کا مزہ تو کوئی سالکانِ راہِ طریقت اور رہ نوردانِ وادیٔ معرفت سے پُوچھے۔

۵۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ یہ ترجمہ غلط ہے کہ ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُعا کرنے والا ابھی صحیح راستہ پر اپنے آپ کو نہیں سمجھتا۔ اور اگر ایسا ہے تو اس کا طریقہ عمل غلط ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ہم کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھ۔ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی سیدھے خط کو کہتے ہیں۔ اس کے اوپر نیچے جتنے خطوط نکلیں گے وہ سب کج ہوں گے لہٰذا نجات پانے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو افراط و تفریط سے محفوظ رہ کر خطِ مستقیم پر چل رہے ہوں۔ اس سے ہمیں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ اسلام میں جو تہتر فرقے ہیں ان میں سے صرف ایک ناجی ہوگا سب نہیں ہو سکتے۔ اس کا پتہ رسولؐ نے دے دیا ہے۔ یعنی قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیت کو کر دیا ہے تاکہ ہر زمانہ میں وہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتے رہیں۔ اہلبیت کے سوا اسلام میں کوئی گروہ ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جس کو رسولؐ نے قرآن کے ساتھ کیا ہو۔

۶۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ یہ صراطِ مستقیم صرف انہی لوگوں کا راستہ ہو سکتا ہے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کی نشان دہی یوں کرائی گئی ہے:

اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۝

یعنی (خدا کے نیک بندے) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہ چار گروہ ہیں۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء و صالحین۔ یہاں نعمتوں سے مراد دنیوی نعمتیں نہیں ہیں بلکہ سعاداتِ آخروی اور مراتب و مدارج رُوحانی ہیں۔ دنیا میں کسی نبی یا ولی کا گھر آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس میں انعام پانے والوں کی یہ چار صفتیں پائی جاتی ہوں۔ سوائے بیت مکرم و مقدس سرکارِ دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جہاں ان میں ان اصناف کے بہترین افراد بیک وقت موجود تھے۔ نبی تھے تو سیّد الانبیاءؐ۔ صدیق تھے تو افضل الصدیقین۔ شہید تھے تو سیّد الشہداءؑ اور صالح تھے تو صالح المؤمنین۔ پس ان کے ساتھ ہونے والا اور ان سے محبت کرنے والا یقیناً صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا۔

قرآن نے بتایا کہ رسولؐ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے سیّد و سردار قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم مرسلین میں سے ہو اور سیدھے راستہ پر ہو) اور رسولؐ نے فرمایا۔ يَا عَلِيُّ اَنْتَ مِيْزَانُ الْاَعْمَالِ وَصِرَاطُ الْمُسْتَقِيْمِ ۔ (اے علیؑ، تم میزانِ اعمال ہو اور صراطِ مستقیم ہو۔)

۷۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ اچھے لوگوں کی نشان دہی کے بعد اب یہ دُعا کی جاتی ہے کہ مغضوب علیہم ولا الضالین کے راستہ سے ہمیں بچائے رکھنا۔ پہلا گروہ یہودیوں کا ہے جن پر ایک بار نہیں نہ معلوم کتنی بار غضبِ الٰہی نازل ہُوا۔ دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر گمراہ ہو گئے۔